نام کتاب : حدود آرڈیننس ۔ حقیقت اور فسانہ
مصنف : ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن
صفحات : ۲۰۸
ناشر : زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ناظم آباد نمبر۴، کراچی
سال اشاعت : جنوری ۲۰۰۷ء
قیمت : ۱۲۰ روپے
تبصرہ نگار : محمد احمد منیر☆

حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء اپنے نفاذ کے کچھ عرصے بعد ہی سے تنقید کا نشانہ بننا شروع ہو گیا تھا اس کی وجہ ان قوانین کا انتہائی مختصر ہونا، بہت سے معاملات سے اس کا تعرض نہ کرنا اور بعض اہم معاملات میں دوسرے قوانین سے اس کا ہم آہنگ نہ ہونا ہے۔ اگر دوسرے قوانین بالخصوص فوجداری قوانین اور عائلی قوانین سے ہم آہنگ ہوتے توحدود قوانین کے نفاذ کے بعد پیدا ہونے والے بعض مسائل سرے سے جنم ہی نہ لیتے اور اس پر بہت سے اعتراضات کا دروازہ ہی نہ کھلتا۔ انہی اعتراضات اور وقتاًفوقتاً عدالتوں کی جانب سے غلط فیصلوں کو درست کرتے ہوئے اس میں تبدیلی کے احکامات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان قوانین میں تبدیلی اور ترمیم کی گنجائش موجود ہے۔ اسی لیے ان قوانین کے نفاذ کے اگلے ہی سال ۱۹۸۰ء، اس کے بعد ۱۹۹۷ء اور ۲۰۰۴ء میں اس آرڈیننس میں حسب ضرورت ترمیم و اضافہ کیا گیا۔ اس سب کے باوجود یہ قوانین بعض حلقوں کی جانب سے شدید تنقید کا نشانہ بنتے رہے جن میں غیر سرکاری تنظیمیں جو خواتین کے حقوق کے تحفظ کی علمبردار ہیں نمایاں رہیں۔بالآخر اس کے نفاذ کے ۲۷ سال بعددسمبر ۲۰۰۶ء میں ان قوانین میں حکومت وقت کی طرف سے نمایاں تبدیلی کی گئی ہے۔ حد زنا آرڈیننس کی بائیس میں سے بارہ دفعات کومکمل طور پر حذف کر دیا گیا جبکہ پانچ دفعات میں سے ان کی بعض ذیلی دفعات حذف کر دی گئی ہیں۔ دوسری طرف دو ذیلی دفعات کا اضافہ بھی کیا گیا۔ اسی طرح حد قذف آرڈیننس کی بھی کل بیس میں سے آٹھ دفعات مکمل طور پر حذف کر دی گئی ہیں جبکہ پانچ دفعات میں جزوی طور پر قوانین حذف کیے گئے ہیں۔ ان تمام دفعات کو حذف کرنے سے زنا اور قذف سے متعلقہ جرائم کے حوالے سے جو قانونی خلا پیدا ہوا

☆ ریسرچ ایسوی ایٹ، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد

اسے پر کرنے کے لیے ایک نیا قانون ''تحفظ حقوق نسواں بل ۲۰۰۶'' منظور کیا گیا ہے۔حکومت نے اس قانون سازی سے قبل اس کا ایک مجوزہ مسودہ تیار کر کے اسمبلی میں پیش کیا تھا تاکہ اس پر بحث مباحثہ ہو سکے اور اس کے نفاذ کی راہ ہموار کی جاسکے۔پارلیمنٹ میں اس مسودے کو غیر اسلامی قانون سازی قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف دینی حلقوں نے آواز بلند کی تو حکومت نے دینی حلقوں کے مشورے سے ایک غیر جانبدار علماء کمیٹی تشکیل دی جس میں پاکستان بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ممتاز علمائے کرام شامل تھے، جس کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ اس بل کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لے کر اپنی رپورٹ پیش کرے تاکہ مجوزہ بل کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنایا جاسکے۔ اس کمیٹی نے اپنے پہلے اجلاس مورخہ ۱۰ ستمبر ۲۰۰۶ء کے بعد حکومت کو ایک یاداشت پیش کی، اس کے بعد ۱۳ اور ۱۷ ستمبر کو اس کمیٹی کے مزید دو اجلاس ہوئے جس میں کمیٹی کے ارکان نے اپنے تحفظات اور تجاویز پر تفصیلی آراء دیں تاکہ اس قانون کو اسلامی تعلیمات کے مطابق رکھا جا سکے۔ اس سب کے بعد حکومت نے جو بل قومی اسمبلی ، سینٹ اور آخر میں صدر پاکستان کے دستخطوں سے منظور کیا اس پر ملک بھر کے علماء کرام کی جانب سے شدید ردعمل سامنے آیااور یہ موقف اختیار کیا گیا کہ یہ بل سرا سر خلاف اسلام ہے اور اس کی اکثر دفعات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں بالخصوص زنا بالجبر کی سزا،اس کا نصاب شہادت، زنا بالرضا کے لیے رکھی گئی تعزیری سزااور زنا بالجبر کوحدود قوانین کے تحت جرم قرار دینے کے بجائے اسے تعزیری جرم قرار دینے کے حوالے سے کی گئی قانون سازی کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اسے حدود اللہ میں مداخلت کا نام دیا گیا۔

اس قانون سازی کے عمل سے قبل، اس کے دوران اور اس کے بعد علمی و دینی حلقوں میں اس موضوع پر تفصیلی بحث مباحثہ ہوتے رہے اور اس کے مضمرات اور خطرناک نتائج سے حکومتی حلقوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ دوسری جانب حکومتی حلقوں کی طرف سے ایک میڈیا مہم بھی چلائی گئی جو بنیادی طور پر اس نئے قانون کے حق میں اور سابقہ حدود آرڈیننس میں ترمیم کی خواہاں نظر آئی۔ مختلف اسلامی تحقیقی رسائل میں اسی حوالے سے بے شمار تبصرے کیے، مضامین اور اداریے لکھے اور کتب تحریر کی گئیں۔ ان تمام رسائل و کتب کا مطالعہ کرنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ موجودہ تحفظ نسواں بل کے حق میں کوئی ایک بھی تحریر موجود نہیں، بلکہ تمام لکھنے والے اس کے خلاف اسلام ہونے اور اس کے مضمرات کو بیان کرنے والے ہیں۔البتہ زبانی طور پر بعض حلقے اس بل کے اسلام کے خلاف نہ ہونے کا تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے افراد جو اس بل کو صریح طور پر خلاف اسلام نہیں گردانتے ان میں حکومتی افراد، عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیمیں،

قانون دانوں کا ایک حلقہ، عدلیہ سے وابستہ بعض افراد اور دینی حلقوں سے تعلق رکھنے والے چند افراد شامل ہیں۔ جبکہ ایک عام آدمی اس ساری بحث میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ اس قانون سازی میں کیا خلاف اسلام ہے اور کیا اسلام سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ کون سی بنیادی تبدیلیاں ہیں جو اس حدود آرڈیننس میں کی گئی ہیں۔ ان کی بنیاد کیا ہے۔ کن محرکات کی وجہ سے حکومت کو حدود اللہ کے نفاذ کے لیے بنائے گئے قانون کو بدلنے کی ضرورت پیش آئی۔

تحفظ نسواں بل کے نفاذ سے قبل تین طرح کی آراء موجود تھیں جو اس کی منسوخی،اسے جوں کا توں باقی رکھنے یا اس میں تبدیلی کے حق میں تھیں۔پہلی رائے رکھنے والے گروہ کا موقف یہ تھا کہ یہ قوانین سراسر خلاف اسلام ہیں انہیں مکمل طور پر ختم کر دینا چاہیے تاکہ حدود آرڈیننس عورتوں کے خلاف استحصالی قانون کے طور پر موجود نہ رہے۔ اس گروہ کے دلائل یہ ہیں کہ ایک تو اس قانون کو انتہائی عجلت میں ترتیب دیا گیا تھا، دوسرا یہ کہ انہیں غیر جمہوری انداز میں نافذ کیا گیا، تیسرا یہ کہ شرعی سزا کے لیے بلوغت کو معیار بنانا ناانصافی ہے کیونکہ بعض بچیاں تھوڑی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں لیکن ذہنی طور پر پختہ نہیں ہوتیں لہذا ان پر اس طرح کی سخت سزاؤں کا نفاذ قطعاً غیر اسلامی اور ظلم ہے۔چوتھا اعتراض یہ ہے کہ رجم کی سزا کا قرآن میں کوئی ثبوت نہیں لہذا یہ سزا غیر اسلامی ہے،قرآن نے صرف سو کوڑوں کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ان حضرات کا ایک اعتراض یہ ہے کہ سنگساری اور کوڑوں کی سزائیں اصلاً ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں۔ مزید یہ کہ اس آرڈیننس میں عورت کو گواہی کے حق سے بھی محروم رکھا گیا ہے جو عورتوں کے ساتھ ناانصافی اور امتیازی سلوک ہے۔ اگر ایک عورت ایسی جگہ پر ظلم کا نشانہ بنتی ہے جہاں صرف عورتیں موجود ہیں تو وہ شخص صرف اس لیے سزا سے بچ جائے گا کہ وہاں کوئی مرد موجود نہ تھا۔ اسی طرح اس آرڈیننس کا غیر مسلموں پر اطلاق بھی درست نہیں۔ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لے کر پولیس کے پاس جاتی ہے تو اسے زنا بالرضا کا ملزم گردانتے ہوئے دھر لیا جاتا ہے اس اعتبار سے اس قانون کو عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس گروہ کا موقف انتہائی متشدد اور یک طرفہ رہا ہے۔

دوسری رائے کے حامی افراد یہ کہتے رہے ہیں کہ حدود آرڈیننس میں ترمیم یا تبدیلی حدود اللہ میں تبدیلی یا ترمیم کے مترادف ہے۔لہذا اس قانون کو ہر گز تبدیل نہیں کیا جانا چاہیے البتہ اگر ضرورت ہو تو اس کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور اس قانون کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ساتھ ہی ساتھ باقی تمام قوانین کو بھی مکمل طور پر اسلامی اصولوں کی روشنی میں مرتب کیا جائے۔اس گروہ کا دوسرا موقف مکمل طور پر درست لیکن پہلا موقف متشدد معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ تیسری رائے یہ سامنے آئی کہ جہاں مناسب ہو وہاں اس آرڈیننس میں تبدیلی کی جائے اور جو قانون درست طور پر نافذ العمل ہے اسے باقی رکھا جائے، ان حضرات کا موقف یہ تھا کہ حدود اللہ میں تبدیلی تو ہرگز نہیں ہوسکتی البتہ ان حدود اللہ کو نافذ کرنے کے لیے انسان کے بنائے ہوئے قانونی ضابطوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اور موجودہ حدود آرڈیننس بھی درحقیقت انہی ضابطوں کا ایک مجموعہ ہے جو حدوداللہ کے نفاذ کی راہ ہموار کرتا ہے۔ لہذا اگر اس میں کوئی خامی یا کمی رہ گئی ہو تو اسے دور کیا جانا چاہیے۔ اس گروہ کا موقف علمی بنیادوں پر استوار ہے۔ اور وہ اس آرڈیننس میں بعض تبدیلیوں کو ناگزیر سمجھتے رہے، مثلاً یہ کہ عورت اگر شکایت لے کر جائے تو اسے ہرگز ملزم نہ سمجھا جائے جب تک کہ اس کے خلاف الزام ثابت نہ ہوجائے ۔ عورت اگر زبانی طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کر لیتی ہے تو پہلے شوہر کی جانب سے دائر کردہ زنا کے مقدمہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ تفتیش کے طریق کار کو بہتر بنایا جائے تاکہ پولیس عورتوں کو بے جا تنگ نہ کرے اور ان کے گھروں پر تفتیش کے بہانے چھاپے نہ مارے وغیرہ۔

اس بل کے نفاذ کے بعد بھی تین طرح کی آراء سامنے آئیں۔ ایک تو وہی اسلامی طبقہ جو حدود آرڈیننس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو خلاف اسلام اور حدود اللہ میں ترمیم گردانتا ہے، اس گروہ کا موقف تحفظ نسواں بل کے بارے میں بھی یہی رہا۔ دوسرا وہ گروہ جو اس میں جزوی تبدیلی کا حامی اور اس کی خامیوں کو دور کرنے کا قائل تھا۔ ان افراد نے اس قانون کے نفاذ سے قبل اپنی آراء اور سفارشات بھی پیش کیں تاکہ آئندہ کی جانے والی قانون سازی اسلامی تعلیمات کے مطابق اور احکام الٰہی کے تابع ہو۔ جبکہ تیسرا گروہ وہ تھا جس نے اس نئے قانون کو بھی من وعن تسلیم کیا اور یہ رائے قائم کی کہ اس میں کوئی بات خلاف اسلام نہیں۔

زیر نظر کتاب کے مصنف بنیادی طور پر دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں سنجیدہ علمی بحث کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ موجودہ قانون سازی میں شریعت کے بہت سے مسلمہ اصولوں سے روگردانی کی گئی ہے وہاں اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں کونسی تبدیلیاں ناگزیر تھیں جن سے اس قانون کو شریعت کے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کے آغاز میں حدود اللہ کا تعارف، اسکی اقسام اور تاریخ اور مختلف ادیان میں حدود کی سزاؤں سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے اگلے حصے میں عہد رسالت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار سے مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں حدود بالخصوص رجم کی سزا کا ثبوت ملتا ہے(صفحہ ۳۱ تا ۳۶)۔ لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ تمام واقعات جن میں زنا کی

صورت میں حد رجم کا نفاذ ہوا وہ بالآخر اقرار کی وجہ سے ہوا۔کوئی ایسا واقعہ اب تک منصۂ شہود پر نہیں آیا جس میں گواہوں کی تعداد پوری ہونے اور ان کی مکمل گواہی کے بعد حد نافذ کی گئی ہو۔

کتاب کے اگلے حصے میں مصنف نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حدود آرڈیننس اپنے نفاذ کے فوراً بعد سے ہی تنقید کا نشانہ بنتا رہا جس کی بنیادی وجہ اس میں کسی سقم کا موجود ہونا نہیں بلکہ یہ غیر ملکی مغربی طاقتوں کے اس ایجنڈے کے نتیجے میں ہونا شروع ہوا جس کے تحت پاکستان اور اس جیسے دوسرے اسلامی ممالک سے اسلامی روح کو ختم کرنا مقصود ہے۔ اس کے لیے مغرب نے خاندان کی اکائی کو نشانہ بنایا ہے۔ مغرب میں خاندانی نظام مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہے۔ اس کے برعکس اسلامی معاشرے میں مردوعورت کا ایک خاندانی نظام کے تحت زندگی گزارنا اس معاشرے کی اخلاقی ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا اس نظام کو تباہ کر کے اسلامی معاشرے کو بآسانی کھوکھلا کیا جاسکتا ہے۔ مصنف کے الفاظ میں

> ’’اصل میں حدود آرڈیننس جس بنیادی نکتے کے گرد گھومتا ہے وہ خاندان ہے۔ خاندان اسلامی معاشرت کا نکتہ ارتکاز بھی ہے اور اس کی اساس بھی۔ یہ وہ نعمت ہے جو آج مغرب کو حاصل نہیں، اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی معاشرت قائم ہے۔ اس لیے مغرب اور مغرب زدہ طبقات کا سب سے بڑا نشانہ بھی یہی خاندان ہے۔ درحقیقت ان کا اصل نشانہ تو اسلام ہے اور اسلام کو نشانہ بنانے کے لیے جس رخنے کی انہیں تلاش ہے وہ انہیں خاندان کی شکست و ریخت کی صورت میں ہاتھ آسکتا ہے، جس کے لیے وہ مسلسل سرگرم عمل ہیں۔‘‘ (صفحہ: ۳۹)

اسی نظریے کے اثبات کے لیے کتاب میں مختلف جرائد اور رسالوں میں شائع ہونے والی بعض رپورٹوں سے وہ اعداد وشمار بھی مہیا کیے گئے ہیں، جو مغربی معاشرے کی تباہی کا اعلان کرتے ہیں۔

کتاب کی ایک افادیت یہ بھی ہے کہ اس میں سابقہ حدود آرڈیننس کے حد زنا آرڈیننس کا مکمل متن (صفحہ ۴۷ تا ۵۶)، جرم قذف آرڈیننس (صفحہ ۷۱ تا ۷۸) تحفظ حقوق نسواں بل ۲۰۰۶ء اردو متن (صفحہ ۱۲۵ تا ۱۴۴) اور tection of Women, (Crimiinal Laws Amendment) Act, 2006 انگریزی متن (صفحہ ۱۰۷ تا ۱۲۴) بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو قاری کے لیے اصل قانون تک رسائی اور اس کے خود سے مطالعے کے لیے مفید ہیں۔

حد زنا آرڈیننس کے متن کے لیے جو عنوان درج کیا گیا ہے وہ یہ ہے ’’حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء ،

مکمل متن'' ، یہ سہو ہے اس کی جگہ ''حد زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء'' درج کیا جانا چاہیے تھا۔

ان متون کے ساتھ ان کا تعزیرات پاکستان کی متعلقہ دفعات سے موازنہ بھی کیا گیا ہے جو کتاب کی افادیت میں اضافے کا سبب ہے۔ اگلے باب میں ان اعتراضات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو وقتاً فوقتاً حد زنا آرڈیننس پر مختلف ہیئتوں کی جانب سے کیے جاتے رہے اور وہ اس قانون میں تبدیلی کے محرکات میں سے بھی ہیں۔

کتاب کا وہ حصہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے جس میں اس نئے ایکٹ(تحفظ حقوق نسواں بل ۲۰۰۶ء) کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اورشق وار نکات بیان کر کے ان میں قرآن و سنت سے متصادم باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اکثر ناقدین کی رائے کے مطابق موجودہ قانون سے زنا بالرضا کی شرعی سزا (سو کوڑے یا رجم)کو نکال دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کم تر تعزیری سزا (۵ سال قید یا ۱۰ ہزار روپے تک جرمانہ) مقرر کر دی گئی ہے۔ زیر نظر کتاب میں مصنف نے بھی شروع میں یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، موجودہ قانون کے بعد بھی زنا بالرضا اگر شریعت کے مقرر کردہ نصاب شہادت یعنی چار گواہوں سے ثابت ہوسکتاہو تو اس کے لیے شرعی سزائیں موجود ہیں۔انہیں نئے قانون کی رو سے ختم نہیں کیاگیا۔فرق صرف اتنا ہے کہ شرعی سزا کو حدود آرڈیننس میں رکھا گیا ہے اور دوسری سزا کو تعزیرات پاکستان میں، شرعی سزا کا اطلاق اس وقت ہوگا جب چار گواہ موجود ہوں یا مجرم خود اقرار کرلے۔ لیکن اگر جرم وقوع پذیر ہوا ہے اور اس کی واقعاتی شہادتیں بھی موجود ہیں، تو پھر اس پر کوئی تعزیری سزا دینا اس جرم کے انسداد کے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی زنا کے جرم کے لیے تعزیری سزا (۱۰ سال تک قید اور ۳۰ کوڑے) حدود آرڈیننس میں موجود تھی اب اس سزا کو کچھ کم کر کے مجموعہ تعزیرات پاکستان کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ البتہ ان دفعات میں جو خامی ہے وہ یہ ہے کہ اب مدّعی کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ مقدمہ حدود کے تحت درج کروایا جائے یا تعزیرات پاکستان کے تحت، اگر شہادت کا شرعی نصاب موجود ہے تو پھر وہ عدالت میں حدود کے مقدمے کا استغاثہ لے کر جائے اور اگر گواہوں کی تعداد شرعی نصاب سے کم ہے تو پھر وہ تعزیرات پاکستان کے تحت دعویٰ دائر کرے۔جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ فیصلہ عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ جس سزا کو وہ قانون شریعت کے مطابق پائے اس کا حکم دے کیوں کہ عدالت اس بات کا بخوبی فیصلہ کرسکتی ہے کہ شہادت کس قسم کی ہے۔ اس قانون پر اعتراض کرنے

والوں کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ فی الحقیقت اسلامی اصولوں کے مطابق تو زنا موجب تعزیر کوئی اصطلاح ہے ہی نہیں، اس صورت میں تو ہر وہ مجرم جس کے خلاف چار سے کم شہادتیں آئی ہوں اسے جرم سے بری قرار دیا جانا چاہیے اور مزید یہ کہ مقدمہ دائر کرنے والے کو قذف کی سزا ملنی چاہیے۔ اور موجودہ دور میں اس قسم کی قانون سازی کی صورت میں کسی بھی مجرم کو زنا بالرضا کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ مصنف نے اسی نظریے کی تائید صفحہ ۹۵ پر کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سزا ضروری ہے لیکن اسے زنا کا نام دینے کی بجائے سیہ کاری وغیرہ کا مجرم سمجھا جائے گا۔ جبکہ آگے چل کر صفحہ ۱۵۸ پر اس تعزیری سزا کو خلاف اسلام قرار دیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ زنا کی صرف یہی سزا اس قانون میں موجود ہے شرعی سزا ختم کر دی گئی ہے جبکہ یہ تاثر درست نہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

زیر نظر کتاب کی تصنیف کا بنیادی مقصد تحفظ حقوق نسواں بل کی غیر اسلامی شقوں کا محاسبہ کرنا اور اس پر علمی انداز میں دلائل دینا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے جو مزید اعتراضات مصنف کی جانب سے کیے گئے ہیں ان میں زنا بالجبر کی صورت میں سو کوڑوں اور رجم کی سزا کی جگہ دس سے پچیس سال تک کی قید مع جرمانہ اور اجتماعی زیادتی کی صورت میں موت کی سزا کا مقرر کرنا، اس جرم کی سزا کو حدود آرڈیننس سے نکال کر واپس تعزیرات پاکستان میں درج کرنا، زنا بالجبر کی تعریف میں سے شوہر اور بیوی کا استثناء ختم کرنا جس سے بیوی سے زبردستی جماع (Marital Rape) کے خلاف قانونی تحفظ فراہم ہونا شامل ہیں(اگرچہ یہ ایک مفروضہ ہے کیونکہ قانون عرف کا اس وقت تک خیال رکھتا ہے جب تک قانون میں صریحا اس کے خلاف کوئی بات درج نہ ہو جیسا کہ ابھی تک marital rape کے خلاف کوئی صریح قانون موجود نہیں)۔ اسی طرح ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی سے کیا گیا زنا اگرچہ وہ اس کی رضا مندی سے ہو اسے بھی زنا بالجبر قرار دینا (جو کم عمر بالغ لڑکیوں کو زنا بالرضا کے بعد قانونی تحفظ فراہم کرنے کے مترادف ہے)، زنا بالجبر کے لیے نصاب شہادت کا عام قانون شہادت کے تابع ہوجانا جس کی رو سے عورت بھی اس جرم کی گواہ ہوسکتی ہے، مبادیات زنا اور اقدام زنا جیسے جرائم کی سزاؤں کا منسوخ ہونا اور حدزنا اور حد قذف آرڈیننس کی دوسرے قوانین پر برتری کا خاتمہ، حدود کے مقدمے کے لیے طریق کار کی تبدیلی جسے مصنف نے ناقابل عمل قرار دیا ہے شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان تمام تبدیلیوں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور سرا سر خلاف اسلام قرار دیا ہے اور اس کے لیے قرآن و سنت اور درایت سے دلائل دیے ہیں۔

کتاب میں مولانا حنیف جالندھری کی وہ تحریر بھی شامل ہے جو انہوں نے علماء کمیٹی کے اجلاسوں اور ان میں دی گئی سفارشوں سے متعلق مرتب کی تھی۔ آخر میں مصنف کی جانب سے بعض سفارشات

اور تجاویز دی گئی ہیں کہ حدود آرڈیننس کو کس طرح قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق کیا جاسکتا ہے اور اس میں کن تبدیلیوں کی گنجائش موجود تھی اور کون سی تبدیلیاں غیر ضروری تھیں۔کتاب موضوع پر ایک اچھا حوالہ بھی ہے کیونکہ اس میں ان تمام رسائل اور ان کے شمارہ نمبر درج کر دیے گئے ہیں جن میں کسی بھی حوالے سے حدود آرڈیننس یا تحفظ حقوق نسواں بل پر کچھ تحریر کیا گیا ہے۔کتاب کا حرف آغاز ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے جبکہ پیش لفظ مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے تحریر کیا ہے۔

کتاب میں بعض جگہ مثلا ۲۱، ۲۲،۲۳، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۱، ۴۴، ۴۵، ۸۶، ۸۸، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷ وغیرہ پر کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ کتاب میں درج کیے گئے حوالے بھی بعض جگہ ایک نظم میں نہیں اگر کسی کتاب کا حوالہ ایک جگہ ایک ترتیب سے دیا گیا ہے تو اسی صفحے پر اس کتاب کا دوسرا حوالہ کسی اور ترتیب سے دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴، ۳۶۔ کتاب دیدہ زیب جلد بندی کے ساتھ اچھے کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔ اس علمی و تحقیقی کتاب کے مرتب کرنے پر ڈاکٹر عزیز الرحمان صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔